جموں وکشمیر کی شاعرات وادباً ۔نسائی حسیت کے تناظر میں

ڈاکٹر حارث حمزہ لون
رحمت آباد رفیع آباد،
بارہمولہ جموں وکشمیر
فون نمبر 7889382310

کشمیر پورے برصغیر میں وہ واحد خطہ ہے جہاں کی سرزمین نے بلاتخصیصِ رنگ ونسل، جنس وملت، متعدد برگزیدہ شخصیات کو جنم دیا ہے۔ یہ خطہ جہاں صوفیوں، سنتوں اور ریشیوں کی آما جگاہ رہا ہے وہیں زندگی کے دیگر شعبہ جات خاص کر علم وادب میں بلند قامت شخصیات کی ایک بڑی کھیپ اُن رنگ برنگے اور مہکتے پھولوں کی مانند اس چمن کو ہمیشہ مزین اور معطر کرنے میں کار فرما رہے ہیں۔ یہاں قدآور شعراء حضرات کے ساتھ ساتھ ایک خاصی تعداد معتبر شاعرات کی بھی سامنے آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جموں وکشمیر کے شعری اُفق پر اُردو شاعرات بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں رونما ہوئیں۔ اس سے پہلے خواتین نے اپنے جذبات واحساسات کو مردانہ سماج کی بالادستی اور جابرانہ رویئے کے تحت اندر ہی اندر دبائے رکھا تھا۔ اتفاق سے کشمیر کی جو پہلی خاتون شاعرہ 'لل دید' ہیں وہ بیک وقت ایک برگزیدہ مذہبی ہستی بھی تھیں۔ لل عارفہ جو ایک پنڈت گھرانے میں پیدا ہوئیں اور پنڈت گھرانے میں ہی بیاہی بھی گئیں، مگر ساس اور سسرال کے مظالم اور زیادتیوں سے عاجز آکر وہ دنیاوی زندگی کو تج کر زروان کی تلاش میں نکل پڑیں۔ اس طرح انہوں نے رہبانیت کے رستے اپنے اور کائنات کے راز کو پالیا۔

لل دید (جنہیں لل ایشوری یا لل عارفہ بھی کہا جاتا ہے) کے یہاں اظہار ذات سے زیادہ اظہارِ کائنات اور موجدِ کائنات کے اظہار کی کئی صورتیں ملتی ہیں۔ان کے واکھوں میں ایک ایسے فلسفہ کا بیان ہے جسے ''فلسفہ شِومت'' کے نام سے موسوم ہے۔گویا کہ کشمیر اور کشمیری شاعری کی پہلی باضابطہ اور مستند آواز ایک عورت کی آواز ہے۔اُن کے بعد ایک اور شاعرہ حبہ خاتون سسرال کی ستائی ایک مظلوم عورت تھی۔مگر حبہ خاتون نے لل دید کی طرح رہبانیت میں پناہ نہیں لی۔وہ اپنے عورت ہونے کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرتی ہیں بلکہ عورت کی جنسی و حیاتیاتی احتجاج کا بھی اظہار کرتی ہیں اور پدری نظام و تصور رکھنے والے زمانے کو پہلی بار ایک عورت کے جذبات و خیالات اور نسائی لب و لہجے سے متعارف کراتی ہیں۔لل دید اور حبہ خاتون کے بعد کئی اور شاعرات کشمیر میں پیدا ہوئیں جن میں ارنہ مال، روپ بھوانی، نتجہ دید اور جمعہ بی بی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ان سب نے اپنی عارفانہ شاعری کے ذریعے مرد کے ظلم و ستم اور عورت کی بے بسی کی نشاید ہی کردی تھی۔اس سلسلے میں ورجینا وولف کہتی ہیں: ''عورتوں کا ادب ہر حال میں تانیثی ہی ہوگا۔ اگر وہ عمدہ ہوگا تو وہ عمدہ تانیثی ادب کہلائے گا''۔ (Women & Fiction by Virginia woolf)

پورے برصغیر میں کشمیر واحد جگہ ہے جہاں کے لوگوں نے اپنی مادری زبان 'کشمیری' کے فوراً بعد اُردو کو اپنی دوسری مادری زبان کا درجہ دیا ہے۔یعنی جتنی محبت لوگ کشمیری زبان سے کرتے ہیں، اسی قدر وہ اُردو کے ساتھ اپنی وابستگی بھی محسوس کرتے ہیں۔۱۸۸۹ء میں کشمیر میں جب اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ مل جاتا ہے تو یہاں کے پڑھے لکھے لوگ جو اس سے پہلے کشمیری زبان میں یا پھر فارسی زبان میں شعر و ادب تخلیق کرتے تھے۔انہوں نے اُردو زبان کی طرف توجہ دینا شروع کیا۔اس طرح جموں و کشمیر میں اُردو شعر و ادب کا آغاز ہوتا ہے۔مگر بہر حال اُردو زبان جب اس خطے میں داخل ہوئی تو اُردو شعر و ادب کے ہمراہ وہ اپنی تہذیب اور کلچر بھی لائی تھی۔جس کلچر میں 'عورت' کی آواز اپنی صنفی و شخصی حیثیت کی ہمیشہ نفی کر کے تذکیریت کے غلبے کی ہی شکار

رہی تھی۔

ریاستی سطح پر ادب بالخصوص شعری منظر نامے میں خواتین کی عدم موجودگی کی کئی وجوہات رہی ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے، اور ان وجوہات میں ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ریاستی جموں وکشمیر کے عوام کی فطرت میں عہدِ قدیم سے ہی صوفیوں، سنتوں اور درویشوں سے عقیدت اور مذہبی جوش وجذبے کا عنصر کافی حد تک موجود رہا ہے جس کے زیر اثر 'عورت' کا فنونِ لطیفہ یا ادبی مجالس میں شمولیت کو معیوب اور قابلِ ملامت سمجھا جاتا رہا۔ زمانہ کبھی بھی یکساں نہیں رہتا۔ زمانے کے بدلتے ومتغیر حالات نے خطۂ جموں وکشمیر کی شاعرات کو بھی اپنی موجودگی کے احساس سے دوچار ہونے اور اپنے وجود کی ان نازک اساسی حقیقتوں کے اثبات کے مواقع فراہم کئے۔ چنانچہ یہاں کی خواتین شاعرات نے جب ان مواقع سے بھرپور فائدے اٹھانے کی ٹھان لی تو ان کی آوازیں گزشتہ اوقات کی طرح در و بام سے ٹکرا کے پلٹ کر نہ آئیں بلکہ اب کے ان کی گونج کشمیر کی وادیوں میں بھی سنائی دیں اور بازگشت وادی سے باہر مختلف شعری حلقوں تک بھی پہنچ گئی۔

جموں وکشمیر میں جن خواتین نے اُردو شعر وادب میں نہ صرف ریاستی بلکہ ملکی سطح پر اپنا مقام اور پہچان قائم کی ہے اُن میں عائشہ مستور، ترنم ریاض، صاحبہ شہریار، پروین راجہ، نصرت آرا چودھری، سیدہ نسرین نقاش، شبنم عشائی اور رُخسانہ جبین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ پروین راجہ، نرگس ستارہ اور نگہت فاروق نظر بھی شعر کہتی ہیں۔ یہ ایسی معتبر خواتین ہیں جنہوں نے اُردو شاعری کی روایتی اقدار کا خیال رکھتے ہوئے جدید تر رُجحانات کا بھی خیر مقدم کیا ہے۔ سب سے بڑی اور مستحسن بات یہ کہ ان خواتین نے نسوانی مسائل اور نفسیات کو اپنی شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔ آزاد نظم ان متذکرہ خواتین کے نزدیک ایک ایسی پسندیدہ صنف رہی ہے جس کے تحت وہ اپنے رنج والم، احساسات وجذبات، تجربات ومشاہدات کے علاوہ مردانہ سماج میں عورت کی حیثیت واہمیت اور اس پر ہو رہے ظلم واستحصال کا برملا اظہار کر رہی ہیں۔

☆**رخسانہ جبین:** جموں وکشمیر میں اُردو شاعرات کے حوالے سے رُخسانہ جبین ایک اہم نام ہے۔ وہ یکم مئی ۱۹۵۵ء میں سرینگر (کشمیر) میں پیدا ہوئیں۔اُن کی تعلیمی قابلیت ایم.اے،ایم فل ہے۔ وہ اُردو شعروادب سے خاصہ لگاؤ رکھتی ہیں۔رخسانہ جبیں بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں سے بھی زیادہ عرصے سے اُردو ادب کو اپنی شاعری سے مالا مال کر رہی ہیں۔وہ جداگانہ لب ولہجہ کی شاعرہ ہیں اور بہت حد تک ایک متانت آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔رخسانہ جبیں فطری طور پر غزل کی شاعرہ ہیں۔نیا پن ان کی شاعری کا خاصہ ہے،اور قافیہ بند شاعری ہی میں زیادہ تر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرنا مناسب سمجھتی ہیں۔ان کے شعروں میں استعارات،تشبیہات اور تلمیحات کے برمحل استعمال کے ساتھ گہری معنویت محسوس کرتا ہے۔رخسانہ جبیں کے نزدیک غزل ایک نازک اور لطیف ترین صنف سخن ہے جو گائیکی کا تقاضا کرتی ہے۔اُن کی شاعری میں معنوی تہہ داری ایک خاص عنصر ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

؎ کوئی سمجھا دے ساحل پر ماتم کرنے والوں کو
اپنی مرضی سے کشتی کو اس گرداب میں ڈالا

؎ دُنیا میں دیکھا ہے ہر سو جھوٹ، کپٹ، چھل، مکر وفریب
اور یہ سننے میں آیا ہے جھوٹے کا منہ کالا ہے

؎ استفہام کے جنگل میں کب، کون، کہاں، کیوں، کیسا، کیا
سوچ میں خود کو گم پایا ہے جب سے ہوش سنبھالا ہے

رخسانہ جبین نے ان اشعار میں جہاں محبوب کے بھولے پن کی طرف بلیغ اشارے کئے ہیں تو وہیں وہ وقت، حالات اور سماج کی بھیانک صورتِ حال کو ایک خاموش تماشائی کی طرح نہیں دیکھتی بلکہ ایک حساس اور دردمند شاعرہ کی حیثیت سے اپنا ایک اصلاحی نقطۂ نظر بھی واضح کرتی ہیں۔اس کارخانۂ قدرت کو بغور دیکھتی ہیں اور اس میں اپنی ذات کی شناخت، حیثیت اور اپنے مقام و مرتبے کو کھوجنے لگتی ہیں۔نازک خیالات، لطیف جذبات اور احساسات کو شعری

پیکروں میں اس طرح ڈھالنا کہ اُن میں آفاقیت اور صداقت پیدا ہو جائے:

؎ ہمارے خواب عجب کہکشاں بناتے ہیں
زمیں کو تاروں بھرا آسماں بناتے ہیں

؎ میں بھول جاتی ہوں ان کی کہانیاں کتنی
ذرا سی بات کو وہ داستان بناتے ہیں

رخسانہ جبیں عہدِ گزشتہ کی صحت مند روایات اور اپنے اسلاف کی عظمت کا احساس رکھتے ہوئے جب موجودہ بحرانی ماحول میں معاشرے پہ نظر دوڑاتی ہیں تو انہیں گھٹن محسوس ہونے لگتی ہے کہ اُن کے معاشرے میں جہاں سیاست اپنا سنگدلانہ کھیل، کھیل رہی ہے تو وہیں اور کئی طرح کی ناخوشگواریاں اُن کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ جب ان کے جذبات شدت اختیار کر لیتے ہیں تو وہ اپنے جذباتی ردِعمل کو اس طرح کے اشعار میں ظاہر کرنے لگتی ہیں:

؎ احباب سناتے ہیں کوئی اور کہانی
ہیں میرے حریفوں کے بیاں اور طرح کے
اجداد وراثت میں گھٹن چھوڑ گئے ہیں
تعمیر کریں اب کے مکاں اور طرح کے

ان اشعار سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ رخسانہ جبیں کا شعور کافی بالیدہ ہے۔ اُن کے تفکر میں فلسفیانہ گہرائی ہے اور یہی گہرائی اُنہیں معاصر شاعرات سے منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

☆ **عائشہ مستور:** عائشہ مستور بیک وقت کشمیری اور اُردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتی ہیں۔ کشمیری میں ان کے دو شعری مجموعے ''پوت نظر'' اور ''باوتھ'' منظر عام پر آئے ہیں اور اُردو میں ''موجِ مضطر'' کے نام سے ان کا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

☆ **صاحبہ شہریار:** صاحبہ شہریار کا نام بھی شعری حلقوں میں جانا پہچانا ہے۔ ان کے یہاں نسائی حِسیت کے ساتھ ساتھ نسوانی زبان Feminine Ericture کو بھرپور انداز میں دیکھا جا سکتا

ہے۔ان کے تین شعری مجموعے ''شاخِ لرزاں''، ''برگِ چنار''، ''آگہی کا در'' منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ان کا سب سے بہترین وصف یہ ہے کہ دھیمے سروں میں نہایت ہی سبک انداز اپنی نسوانیت کا احساس کراتی ہیں۔

☆**ترنم ریاض:** نسائی حسیت کی ایک اور آواز ترنم ریاض کی ہے جو ایک منجھی ہوئی افسانہ نگار، عمدہ ناول نگار اور معتبر شاعرہ کے ساتھ ساتھ محقق و نقاد کی حیثیت سے اپنی لیاقت و قابلیت کا لوہا منوا چکی ہیں۔ترنم ریاض ۹ راگست ۱۹۶۳ء کو سرینگر کشمیر کے ایک علمی اور ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ چودھری محمد اختر خان کی یہ صاحبزادی اُردو شعر و ادب کی رسیا ہیں۔اُن کی مادری زبان اگرچہ کشمیری ہے مگر وہ اُردو، ہندی اور انگریزی پر بھی عبور رکھتی ہیں۔اُن کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۷۵ء میں ہوا اور اُس دور سے لے کر اب تک مسلسل لکھ رہی ہیں۔ترنم ریاض کی تصانیف اعلیٰ ادبی معیار کی حامل ہیں۔اُن کی جو تصانیف تا حال منظر عام پر آ چکی ہیں اُن میں ''پرانی کتابوں کی خوشبو''، (شعری مجموعہ) ''یہ تنگ زمین'' (افسانے)، ابابیلیں لوٹ آئیں گی'' (کہانیاں)، ''سنو کہانی'' (ہندی)، ''چاند لڑکی'' (نظمیں)، ''نرگس کے پھول'' (ناولٹ)، ''صحرا ہماری آنکھوں میں'' (ناول)، ''قدم قدم نقش'' (کہانیاں)، ''چشمِ نقشِ قدم'' (مضامین) اور ''موتی'' اور ''برف آشنا پرندے'' (ناول) ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

جہاں تک ترنم ریاض کی شاعری کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ایک معتبر اور سنجیدہ دل کی آواز ہے جو زندگی کے مختلف پہلوؤں اور رویوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جس میں تصنع ہے نہ کوئی اکہرا پن بلکہ نسوانی جذبات و احساسات کو جہاں ترنم ریاض نے اپنی غزلوں اور نظموں میں لطافت اور شگفتگی سے پیش کیا ہے وہیں زندگی کی آفاقیت اور اس کی بوقلمونی کو فطری ارتقا کے تناظر مین بھی دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں۔اپنے جذبات و مشاہدات اور تلخ تجربات کو تخلیقی طرح دینے میں وہ بڑی بے باک بھی دکھائی دیتی ہیں وہ زندگی کے اُن تمام منفی اور مثبت پہلوؤں کی بھی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہیں جو مشیتِ ایزدی یا مصلحتِ خداوندی قرار پائی ہیں۔غزلوں کے مقابلے میں اُن کا تخلیقی

جوہر نظموں میں اور زیادہ کھل کر سامنے آیا ہے۔ اُن کی نظموں میں ''گھر''، ''منظر''، ''بچپن''، ''وجودیت''، ''یا سمیع الدعا'' قابل ذکر ہیں جن میں وہ بڑے خوبصورت الفاظ میں خوبصورت سپنے سجالیتی ہیں۔ ترنم ریاض نے جہاں عصری حالات میں پامال ہوتی انسانی اقدار اور سفاکانہ قوتوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تو وہیں وہ فطری طاقتوں کے آگے انسان کی بے بسی اور اُس کی لاحاصل تمناؤں کا ذکر بھی بڑے متاثر کن انداز مین اس طرح کرتی ہیں کہ یہ ہر شخص کو اپنی زندگی کی یاد میں تڑپانے لگتی ہیں۔

ترنم ریاض کی شاعری میں عورت کی زندگی کے کئی مسائل اور رُخ موجود ہیں۔ وہ عورت کی بھرپور نمائندگی اور وکالت کرتی ہیں۔ انہیں عورت کی عظمت اور خوبیوں کا احساس ہے۔ ان کی نظم ''یا سمیع الدعا'' عورت کی اس بے بسی اور محرومی کا ایک بہترین اظہار یہ ہے کہ جس میں وہ اللہ سے فریادی ہیں۔ اس نظم میں عورت ذات مسلسل درد و کرب سے گزرتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ ترنم ریاض کے یہاں عورت کی شخصیت، پدرانہ سماج میں اس کے تئیں غیر انسانی و ناروا رویوں، عورت کے ردعمل، اپنی حیاتیاتی و ذہنی آزادی کے اظہار، اپنے جذبات و احساسی کوائف کا ہر اعتبار سے ایک مکمل Discourse کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ترنم ریاض کی شاعری اضطرابِ زندگی کی شاعری ہے۔ وہ حسن و عشق اور گل و بلبل یا رقص و سرور کی بات نہیں کرتیں بلکہ اضطرابِ اور آفاقی قدروں کی بات کرتی ہیں۔ جدید فکر و فلسفے کے باعث ہماری معاشرتی زندگی میں جو انتشار و اختلال پیدا ہوا ہے، ترنم کو شدید احساس ہے۔ اُن کی غزلیہ شاعری میں بھی مایوس کن حالات و واقعات کی وقوع پذیری پر اظہارِ تاسف ملتا ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

؎ رُوح سے ٹپکے لہو آنکھ سے پانی برسے
میں نے سوچا ہی نہ تھا جاتے ہیں بچے گھر سے
وہ میری طرح نہ بچوں کے لئے رو دے کہیں

اپنے چہرے پہ سجاتی ہوں ہنسی اس ڈر سے

الغرض یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ خواتین ادیباؤں اور شاعرات میں ترنم ریاض منفرد ہیں جنہوں نے اپنی گراں قدر ادبی خدمات سے اُردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔

☆**پروین راجہ:** جموں وکشمیر کی اُردو شاعرات کے سلسلے میں پروین راجہ کا نام بھی نسائی حسیت کے اظہار کی ایک بہترین خوبصورت کڑی ہے۔ان کی غزلوں اور نظموں میں نسائی لب ولہجہ پوری شدومد کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔یہ نوحہ بھی کرتی ہے اور احتجاج بھی اور طنز کے نشتر بھی بلاخوف چلاتی ہیں:

؎ شہرِ گماں کے لوگ اب مطمئن ہوئے
سرفرازی دیواروں پہ لکھی
شوخ لہجوں میں ابھرا
مبارک مبارک!

☆**شبنم عشائی:** شبنم عشائی کا تعلق بھی کشمیر ہی سے ہے۔وہ تانیثی ادب میں اپنے مخصوص فکر و فلسفے اور اندازِ بیان کے تحت اپنی ایک الگ پہچان بنا چکی ہیں۔شبنم کی شاعری کا کینوس کافی وسیع ہے۔وہ کبھی تو اپنے وجود پر متفکر نظر آتی ہیں تو کبھی روح اور مادے کی بات کرتی ہیں اور کبھی تصوف کے حوالے سے کائنات میں عورت کے وجود پر مختلف طرح کے سوالات اٹھاتی ہیں۔مختلف جہات میں بٹی شبنم عشائی کی شاعری عصری ادب میں خاصی توجہ اور معنویت کی حامل ہے۔

شبنم عشائی ۱۲/اپریل ۱۹۶۲ء کو کشمیر کے ایک قصبے تاپر پٹن میں ایک جاگیر دارانہ گھرانے میں پیدا ہوئیں۔انہوں نے ''بیگانگی کا وجودی نظریہ'' پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس وجودی فکر وفلسفے کی گہری چھاپ اُن کی شاعری پر بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔شبنم عشائی کا اولین شعری مجموعہ ''اکیلی'' ۱۹۹۹ء میں منظرِ عام پر آیا جس میں اُن کی نظمیں شامل ہیں۔۲۰۰۰ء میں اُن کی نظموں کا انتخاب ''میں سوچتی ہوں'' شائع ہوا۔۲۰۰۲ء میں

اُن کی اُردو، ہندی رسم الخط میں نظمیں ''من بانی'' کے نام سے شائع ہوئیں اور جنوری ۲۰۰۸ء میں اُن کی نظموں کا ایک اور مجموعہ ''کتھارسس'' کے نام سے شائع ہوا۔

شبنم عشائی کی شاعری واقعی ایک ایسی خاتون کی شاعری ہے جو نسوانی جذات و احساسات، درد، کسک، وارفتگی اور زندگی کے نشیب و فراز کا گہرا شعور اور ادراک رکھتی ہے۔ وہ اپنی صدائے احتجاج کو انسانی معاشرے میں دور اور دیر تک کے لئے برقرار رکھنے کی متمنی ہیں۔ حسن و عشق اور زندگی کی الجھنوں میں کیا کچھ باقی رہتا ہے اور کیا فنا ہو جاتا ہے اس سانحہ کو شبنم نے اپنی نظموں میں بیان کیا ہے۔ وہ ظاہری حسن و جمال کے بدلے داخلی حسن کو کھوجتی ہیں عورت ذات کو اُس کے صدیوں سے چلے آرہے سماجی بندھنوں اور خاندانی روایات کو توڑ کر اُسے آزادانہ طور پر زندگی گزارنے، خود اعتمادی اور خود کفیل زندگی جینے کی تلقین کرتی نظر آتی ہیں۔ اُن کی نظموں کی کئی سرحدیں اور کیفیتیں ہیں۔ کہیں آشفتگی ہے، کہیں آسودگی، کہیں ہجر وصال ہے تو کہیں پورا وجود سراپا آرزو۔ شبنم عشائی کی چند نظمیں ''آدھی رات''۔

شبنم عشائی کی ان نظموں میں عشق کی حرارت، دل کی بے قراری اور محبوب سے وصال کے لطیف لمحاتی کیفیات میں پورے وجود کا نکھر نکھر جانے اور فریقین کا ٹوٹ کر چاہے جانے کی آرزو موجود ہے۔ لیکن زندگی کے غیر یقینی سفر میں یہ پُر مسرت لمحے زیادہ دیر قائم نہیں رہتے اور دھیرے دھیرے جذبۂ عشق و محبت کا اقرار نامہ مکر و فریب، منافقت اور شکستگی میں مبدل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ شبنم عشائی اپنے شکوہ آمیز لہجے میں کہیں تو مرد معاشرے کے نقائص بیان کرتی ہیں تو کہیں عورت کو شعور و آگہی کا درس دیتی نظر آتی ہے۔

☆ **نصرت آرا چودھری:** ڈاکٹر نصرت آرا چودھری کشمیر میں پیدا ہوئیں، وہیں پلی بڑھیں اور علمی و ادبی سفر کا آغاز بھی وہیں سے ہوا۔ مگر اب وہ ایک طویل عرصے سے جموں میں رہائش پذیر ہیں۔ انہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے ایم۔اے اُردو کا امتحان ۱۹۸۱ء میں اول درجہ میں پاس کرنے کے بعد اسی یونیورسٹی سے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اُن کا سب سے اہم

ادبی کارنامہ 'فیض کی شخصیت اور شاعری' پر لکھا ہوا وہ تحقیقی مقالہ ہے جو انہوں نے پی۔ایچ۔ڈی کے لئے لکھا ہے۔ نصرت کی جو تصانیف اس وقت تک زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں اُن میں ''فیض کی شاعری: ایک مطالعہ''، ''فیض احمد فیضؔ اور جدید شعری ذہن''، ''نبضِ افسانہ'' اور اُن کی خوبصورت غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ''ہتھیلی کا چاند'' اہم ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ اُن کی دو اور تصانیفِ ''اُردو تنقید میں فیضؔ شناسی'' اور ''صوبہ جموں میں اُردو افسانے کا منظر نامہ'' زیرِ اشاعت ہیں۔

''ہتھیلی کا چاند'' نصرت آرا چودھری کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۴ء میں انٹرنیشنل پبلی کیشنز دہلی نے بڑی دیدہ زیب صورت میں چھاپا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ میں غزلیں اور آزاد نظمیں شامل ہیں جن کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ نصرت آرا کی زندگی کا بیشتر حصہ رنج والم اور یاس وحسرت میں گزرا ہے۔ اُن کی تمام غزلیں اور نظمیں اس بات کی غماز ہیں کہ کوئی صدمہ اُن کے ذہن و دل پہ کچوکے لگا رہا ہے۔ دُنیا کی ناپائیداری، جھوٹی محبت، عورت ذات کا استحصال، اُس کی بے بسی، سسکیاں اور آہیں ایسے تلخ موضوعات ہیں جنہیں نصرت چودھری نے اپنی غزلوں اور نظموں میں برتا ہے۔ وہ انسانی نفسیات تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ اس کے لئے وہ نہ تو دقیق الفاظ استعمال کرتی ہیں اور نہ ہی مبہم تشبیہات، استعارت اور ترکیب بلکہ راست بیانیہ انداز کے تحت اپنا مافی الضمیر کا اظہار کرتی ہیں۔ اُن کی بہت سی غزلیں مختصر بحر میں ہیں جن میں سوز و گداز، درد و کرب اور زبان کی چاشنی گھلی ہوئی ہے۔ حالاتِ حاضرہ پر نصرت چودھری کی نظر کافی گہری ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ آئے دن اس روئے زمین پہ انسان کا خون بڑی بے دردی سے بہایا جا رہا ہے۔ وہ ان مایوس کن حادثات و واقعات کو دیکھ کر دیکھ کر تڑپ اٹھتی ہیں۔ اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں:

جو بھی چہرے ہیں خون سے تر ہیں
ہر طرف غم زدہ سے پیکر ہیں

روزِ محشر سے کیا ڈراتے ہو
میرے آنگن میں سارے محشر ہیں

نصرت آرا چودھری اپنے اشعار میں نسوانی جذبات و احساسات کو باریک بینی اور لطافت سے پیش کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ اُن کے نزدیک عورت ہر حال میں قیدی ہے جو پوری زندگی ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور اس طرح اُس کی زندگی میں اندھیرے ہی اُس کے سچے ساتھی بن جاتے ہیں۔ مثلاً

؎ میں ہوں تنہا تم پاس آؤ ، آؤ اندھیرو آؤ
میرے شریکِ غم ہو جاؤ ، آؤ اندھیرو آؤ
؎ پہلے بھی تم ساتھ میرے تھے اب بھی ہو تم ساتھ
آخر تک یہ ساتھ نبھاؤ، آؤ اندھیرو آؤ

نصرت چودھری کی نظموں میں بھی ایک تنوع اور پُرکشش انداز موجود ہے۔ ''ہتھیلی کا چاند''، ''زندگی''، ''خودفریبی''، ''وفا''، ''سِل''، ''آرزو''، ''سفر آئینہ کا''، ''قیدی لمحے''، ''یاد کا چاند''، ''چپ کے مکانوں کے قیدی''، ''خالی کلائی'' ایسی جاندار نظمیں ہیں جو انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کے کئی گوشوں کو آشکار کرتی ہیں۔

☆ **سیدہ نسرین نقاش:** سیدہ نسرین نقاش ریاست جموں وکشمیر کی ایک اہم شاعرہ ہیں۔ وہ نوا کدل سرینگر میں پیدا ہوئیں۔ ایم.اے پولیٹکل سائنس اور ایم.اے صحافت (جرنلزم) کی اسناد حاصل کرنے کے بعد وہ مکمل طور پر اُردو شعر و ادب کی خدمت میں لگ گئیں۔ ان کے شاعری کے چار مجموعے ''لہو پکارتا ہے''، ''دشتِ تنہائی'' اور ''روحیں چناب کی''، ''دشت گماں'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ''ادھوری خواہش'' (افسانوی مجموعہ)، ''تنقید و تحقیق تک'' اور ''کشمیر ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک'' شامل ہے۔ وہ ایک رسالہ ''صدا'' (سہ ماہی) شائع کرواتی ہیں۔

سیدہ نسرین غزلیں، نظمیں، گیت، دوہے۔ آزاد نظمیں، معریٰ نظمیں اور قطعات کے

علاوہ ماہیا بھی خوب لکھتی ہیں۔''ماہیا'' شاعری کی وہ صنف ہے جس میں عورت کے جذبات کا اظہار عورت ہی کی زبان سے کیا جاتا ہے۔ وہ عورت کے وجود، حسن کی رعنائی، شعلہ عشق کا نظارہ اور دردِ تنہائی کو اس طرح محسوس کرتی ہیں:

؎ میں اُس کو جانے سے روکوں تو کس طرح روکوں؟
میں سوچتی ہی رہی اور وہ چلا بھی گیا

؎ تیری یادوں نے خیالوں کو معطر کر دیا
اور تارِ اشکِ پیہم سلکِ گوہر کر دیا

نسرین کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے کہ جس میں وہ اپنے احساسات کو ایک منفرد انداز میں بیان کرتی ہیں:

؎ کوئی آئے گا نہ مجھ سا بخدا میرے بعد
ختم ہو جائے گا دستورِ وفا میرے بعد

؎ وہ تو بس میں ہوں کہ قاتل کو دُعا دیتی ہوں
ورنہ کیوں ہوگا کوئی حرفِ دُعا میرے بعد

انتخاب اور بھی غزلوں کے چھپیں گے نسرینؔ
ہوں گے بے معنی و بے حرف و نوا میرے بعد

الغرض یہ کہ نسرین نقاش کے کلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ بحیثیت ایک عورت قاری کی ملاقات ایک ایسی عورت سے کرواتی ہیں جو زندہ اور افعال ہے جس میں نسوانیت، شوخی، ناز و ادا، دلکشی اور وارفتگی موجود ہے۔ سیدہ نسرین نقاش ایک جہاں دیدہ، انتہائی بے باک اور وسیع فکر و نظر کی خاتون ہیں۔ انہیں مینا کماری ایوارڈ، ساحر لدھیانوی ایوارڈ، میر تقی میر ایوارڈ اور دُختر کشمیر جیسے اعزازات سے نوازا گیا ہے۔

☆ **سیدہ نکہت فاروق نظرؔ:** سیدہ نکہت نظرؔ ۱۹/ جولائی ۱۹۶۴ء کو لال بازار سرینگر کشمیر میں پیدا

ہوئیں۔ان کے پہلے افسانوی مجموعہ ''قہر نیلے آسماں کا'' میں کل پندرہ افسانے شامل ہیں۔''قہر نیلے آسماں کا''، ''عرشی''، ''کچھ خواہشیں مرتی نہیں''، ''شفق رنگ شباب''، ''درد بیتے لمحوں''، ''سراب'' اور ''ویران'' ایسے مختصر مختصر افسانے ہیں جن میں کہیں نہ کہیں عورت کا دُکھ درد، اُس کے ساتھ مرد کی ظالمانہ روش، استحصال، بے بسی اور اُس کے تڑپتے سسکتے ارمانوں اور خوابوں کو افسانوی رنگ و آہنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ وادی میں بسنے والے لوگوں کے مصائب اور اُن کے درد و کرب کو نکہت نے محسوس کیا ہے۔

نکہت نظر کی آواز میں ارتعاش بھی شامل ہے اور احتجاج بھی، جو سماج کے اس پدری نظامِ تصور پر کاری ضرب لگاتی ہیں جس نے عورت کو Second Sex یعنی دوسرے درجے کے شہری سمجھ کر اس کے وجود کو استحصال کا مرکز بنا کے رکھ دیا ہے۔ مزید برآں سیدہ نکہت نظر نے ان افسانوں میں خاص طور پر اُس مصیبت زدہ اور شکست خوردہ عورت کے احساسات و جذبات کی تصویر کشی کی ہے جو جموں و کشمیر کے بحرانی حالات و واقعات کی شکار رہی ہے۔ یہ غم زدہ عورتیں حالات اور وقت کی ستائی ہوئی ہیں۔ یہ اپنا ضمیر بیچنا نہیں چاہتی ہیں بلکہ باعزت اور خوددار بن کر سفرِ حیات طے کرنا چاہتی ہیں۔

☆ **زنفر کھوکھر:** ریاست جموں و کشمیر میں خواتین اُردو افسانہ نگاروں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ زنفر کھوکھر کا تعلق ریاست جموں و کشمیر کے ایک پسماندہ علاقہ راجوری سے ہے۔ راجوری صوبۂ جموں کا ایک ضلع ہے۔ فطری مناظر سے آراستہ یہ علاقہ علمی و ادبی لحاظ سے رزخیز ہے۔ زنفر کھوکھر کا پہلا افسانوی مجموعہ ''خوابوں کے اُس پار'' ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا جسے ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ زنفر کھوکھر کا دوسرا مجموعہ ''کانچ کی سلاخ'' کے نام سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں زنفر کے ایسے افسانے شامل ہیں جن میں عصرِ حاضر کے انسان کی ذہنی پراگندگی، سماج و معاشرے میں چل رہے انتشار اور خاص کر عورت کی سرد مہری، اُس کے ٹوٹنے بکھرنے کی کتھا، سسکتے ارمانوں اور نفسیاتی کشمکش اور گھٹن کا حال، بے رحم لوگ، رسم و

رواج کے پابند عوام، تعلیم کی اہمیت سے نابلد ذہن اور عورت کی خوشحال زندگی کا خواب جیسے موضوعات ہیں۔ وہ ایک حقیقت پسند ادیبہ کی حیثیت سے اپنے گردو پیش میں رونما ہونے والے حالات وواقعات کو اپنے افسانوں میں اس طرح پیش کرتی ہیں کہ قاری کے سامنے ایک ایسا انسانی معاشرہ اُبھر کر آتا ہے جہاں طبقاتی اور نفسیاتی کشمکش کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی بحران موجود ہے۔عورت ہونے کے ناطے صنفِ نازک کی نفسیات اور اُس کی داخلی کیفیات کو زنفر نے بڑی باریک بینی سے سمجھا اور اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔

☆ **نیلوفر نازنحوی:** نیلوفر نازنحوی کے شائع شدہ دو افسانوی مجموعے ''چنار کے برفیلے سائے'' (۲۰۱۳ء) اور ''خاموش آسمان'' (۲۰۱۵ء) ہیں۔ ''چنار کے برفیلے سائے'' میں ۲۴ مختصر افسانے اور ۵/افسانچے شامل ہیں۔ جبکہ ''خاموش آسمان'' میں ۲۳ مختصر افسانے قاری کو دعوتِ مطالعہ دیتے ہیں۔نیلوفر فارسی زبان پی دسترس رکھتی ہیں۔ فارسی کی تدریسی ان کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے اور اردو سے بہت مانوں ہیں جس کا عملی ثبوت ان کے مذکورہ افسانوی مجموعے ہیں۔طویل قصے کہانیاں لکھنے سے وہ احتراز کرتی ہیں۔انہیں دراصل اس بات کا احساس ہے کہ اکیسویں صدی کا انسان جو سائنسی اور تکنیکی ترقی کی یلغار میں ایک طرح کے شورش زدہ ماحول میں زندگی کی نیرنگیوں میں مصروف ہے اسے ذہنی آسودگی اور تازگی فراہم کرنے کے لئے مختصر نویسی ایک موثر ذریعہ ہے۔ نیلوفر ناز کی بہت سی چھوٹی چھوٹی کہانیوں میں کشمیر کے پُر آشوب دور کا بیانیہ قاری کو متحیر کر دیتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے جموں وکشمیر کی اُردو شاعرات کے یہاں نسائی حسیت ولب و لہجے واضح ہے، اگر چہ اُردو شاعری میں یہاں کی خواتین کی تعداد اکائیوں میں ہے مگر یہ قلیل تعداد اپنے کلام اور مقام کے لحاظ سے کافی ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں کی شاعرات نے ذرائعِ ابلاغ سے مستفید ہوکر بدلتے عالمی منظر نامے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے مسائل، ماحول و معاشرے کے ساتھ ساتھ نسوانی جذبات واحساسات اور بالخصوص موجودہ انتشار زدہ سماج میں عورت کے درد و کرب، احساسِ محرومی، خوف و دہشت، انسان اور انسانی اقدار کی بے حرمتی کو متاثر کُن شعری

آہنگ میں ڈھالا ہے۔ اتنا ہی نہیں وہ اپنے مکمل حقوق کی بحالی اور مرد اساس سماج کے جابرانہ حصار کو توڑ کر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی ہیں۔ اس ذاتی حریت کے لئے وہ مرد کی نفسیاتی کمزوریوں اور اُس کے خودساختہ شکنجے کی شدید مذمت کرتی نظر آتی ہیں۔ ان معروضات کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج اُردو کے ادبی منظرنامے پر خواتین ادیبوں کی کارکردگی بہت نمایاں ہے اور صحیح معنوں میں خواتین آج اُردو شعروادب کے نصف بہتر ہونے کا ثبوت فراہم کررہی ہیں۔

☆☆☆